منشی پریم چند کے افسانے ''بوڑھی کاکی'' کا تجزیاتی مطالعہ

ڈاکٹر نیلوفر حفیظ

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ عربی وفارسی، الہ آباد یونیورسٹی

تلخیص

منشی پریم چند ہندوستان کی ایک ایسی قد آور ادبی شخصیت ہیں جن کے علمی وادبی کارناموں نے معاشرے میں رہنے والے ہر مکتبہ فکر کے لوگوں کو متاثر کیا ہے، حق تو یہ ہے کہ انہوں نے معاشرے سے تعلق رکھنے والے جن مسائل پر بھی قلم اٹھایا ان کا حق ادا کر دیا ہے، اس دانشور بزرگ نے ہندوستانی سماج میں پھیلی ہوئی بے شمار اخلاقی اور شخصی برائیوں کو بے نقاب کیا ہے، اور معاشرے میں ہو رہے ظلم واستبداد اور استحصال وغیر منصفانہ روئیوں کے خلاف صدائے احتجاج بلند کیا اور اس ملک کے لوگوں میں درست اور غیر جانبداری کے ساتھ غور وفکر کرنے کا شعور وادراک پیدا کیا۔ بوڑھی کاکی منشی پریم چند کے قلم سے نکلا ہوا ایک ایسا شاہکار افسانہ ہے جو زندگی کی ایک بڑی تلخ حقیقت کو پیش کرتا ہے، یہ افسانہ بڑھاپے کی بے بسی،، رشتوں کی بے حرمتی، ذاتی خود غرضی اور انسانی سنگ دلی کو پیش کرتا ہے جس میں ایک ایسی بوڑھی عورت کی کہانی کو پیش کیا گیا ہے جس نے اپنے شوہر اور بچوں کی وفات کے بعد اپنی ساری جائیداد اپنے بھتیجے کے نام کر دی تھی اس امید پر کہ وہ اس کا خیال رکھے گا اور اس کا بڑھاپا سکون وراحت کے ساتھ گزر جائے گا لیکن حقیقت اس کے برعکس تھی اس لاچار عورت کو دو وقت کا کھانا بھی میسر نہیں ہوتا تھا، گھر میں دعوتیں ہوتیں سینکڑوں مہمان کھانا کھا کر چلے جاتے ہیں مگر اس بے کس اور مجبور عورت کا کسی کو خیال تک بھی نہیں آتا۔ یہ پوری کہانی اسی مظلوم بوڑھی عورت کہ گرد گھومتی ہے اور رشتہ داروں کی بے اعتنائی، خود غرضی اور سفاکی کو پیش کرتی ہے، اس افسانے میں پریم چند نے ہندوستانی سماج رشتوں کی پامالی اور انسانی بے حسی اور مفاد پرستی پر بڑی ہی حقیقی اور سخت تنقید کی ہے، اور ایسے لوگوں کو شدید طنز وطعن کا نشانہ بنایا ہے جو اپنے ان بزرگوں کو ناقابل برداشت بوجھ سمجھتے ہیں، وہ بزرگ جن کی بدولت انہیں سماج میں سرخروئی اور کامیابی حاصل ہوتی ہے لیکن لوگ انسانیت اور شرافت جیسی اخلاقی اقدار سے محروم ہونے کے سبب وہ ان مظلوموں کو زندہ درگور کر دیتے ہیں اور اپنا مقصد پورا ہو جانے کے بعد ان کی طرف سے بے اعتنائی اور لاتعلقی اختیار کر لیتے ہیں اور اپنے ہی بزرگوں کے ساتھ نہائت حقارت آمیز اور غیر انسانی رویہ اختیار کر لیتے ہیں، اس کہانی کا بنیادی مقصد بڑھاپے، افلاس اور خاندان کے افراد کی بے حسی وبے اعنائی وغیرہ جیسے دردناک پہلوؤں کو اجاگر کرنا اور معاشرے کی توجہ اس طرف مرکوز کرنا ہے تاکہ سماج کے سب سے زیادہ مظلوم اور لاچار طبقے کی اصلاح کے لیے کچھ بہتر اقدامات کیے جاسکیں)

کلیدی الفاظ

(منشی پریم چند، شاذ و نادر، ہندوستانی معاشرہ، روائت پسندی، دقیق بین، رہنمائی، تلخ حقائق، ذاتی مفاد، مصائب پیری، نبرد آزما، پارسائی، انسانی ضمیر، اخلاقی برائیاں، تنقید و تعریض، ناانصافی، نام و نمود، ادھرم، عبرت ناک، بے حسی، سماجی شعور)

منشی پریم چند کشور ہندوستان میں اردو اور ہندی زبان و ادب کے وہ عظیم، مقبول اور قد آور شخصیت ہیں جن کے قلم کی جولانی اور بوقلمونی نے اس ملک کے ہر طبقے کو متاثر کیا ہے اور گزرتا ہوا وقت ان کی شہرت اور عظمت میں مزید چار چاند لگاتا چلا جا رہا ہے، اس آفاقی شخصیت کے ادبی شہ پاروں اور علمی کارناموں کی بوقلمونی، رنگارنگی اور تابندگی نے نہ صرف لوگوں کو محو حیرت کر دیا ہے بلکہ ان کی فکر میں ایک انقلاب عظیم بھی پیدا کیا ہے، ان کی تحریروں کی وجہ سے ہندوستانی معاشرے میں مثبت اور خوش گوار تبدیلیاں رونما ہوئیں اور ہندوستانیوں کے اخلاق و کردار، انداز و عادات اور رسم و رواج میں حیرت انگیز حد تک مثبت بدلاؤ پیدا ہوئے اس دانشور بزرگ کا سب سے بڑا اور اہم کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے ہندوستانی سماج میں صدیوں سے مسلط، جمود اور سکوت کو یک لخت جڑ سے اکھاڑ پھینکا اور لوگوں کو خواب غفلت سے بیدار کیا اور انھیں ایک ایسی حقیقی دنیا سے متعارف و روشناس کرایا جس سے ابھی تک لوگ بے خبر اور ناآشنا تھے، پریم چند نے اپنی تحریروں کی انفرادیئت و عظمت کی بدولت، تاریخ کے اوراق میں لازوال شہرت حاصل ، پریم چند کا سب سے بڑا امتیاز یہ ہے کہ انہوں نے اپنے زمانے کی مروجہ روایات کے خلاف بغاوت اختیار کرتے ہوئے نیا ادب تخلیق کرنے کی جرات و ہمت دکھائی اور اپنی فکر کی جدت و ندرت سے اردو و ہندی زبانوں پر وہ احسان بزرگ کیا، جس کے لیے انھیں نہ صرف کشور ہندوستان بلکہ پوری دنیا میں تادیر یاد رکھا جائے گا۔

پریم چند جیسے دانشور بزرگ صدیوں میں شاذ و نادر ہی پیدا ہوتے ہیں، جو بوسیدہ رسموں اور کہنہ روائتوں کے ہزاروں اصنام کو پاش پاش کر کے پوری دنیا کو محو حیرت کر دیتے ہیں اور پھر اسی تخریب و تباہی سے نئی تعمیر و اصلاح کی طرف متوجہ و مائل ہوتے ہیں پریم چند اپنی مخلصانہ کوششوں اور بیدار مغزی کے سبب ہندی و اردو ادب کی سلطنت کے وہ محمود بنے جس کی عظمت و شوکت اور افادیئت و انفرادیئت کے سامنے بڑے بڑے دانشوران ادب بھی سر تسلیم بہ خم کرتے ہوئے نظر آتے ہیں، اس بزرگ مفکر نے اپنی تحریروں کے ذریعے روایت پسند ہندوستانی سماج میں نئی اقدار اور جدید روایات کو پروان چڑھایا اور ہزارہا مردہ قلوب اور پژمردہ اذہان میں زندگی کی حرارت اور تازگی پیدا کی، ہمارے اس دقیق بین ادیب کا ایک بڑا کمال یہ بھی ہے کہ انہوں نے ہندوستان ملک کے فرسودہ سماج کے ظلم و استبداد و استحصال اور غیر منصفانہ بلکہ سفاکانہ رویئوں کے خلاف ایک صدائے احتجاج بلند کیا اور جور و ستم کے طوفانوں سے نبرد آزما ہوتے ہوئے، تیز و تند آندھیوں کا سینہ چیرتے ہوئے اس تاریکی اور پستی میں پڑے ہوئے معاشرے میں ہمدردی، محبت اور حقیقت پسندی کے ایسے چراغ روشن کیے جن کو کبھی خاموش نہیں کیا جا سکے گا۔ ان کی بیشتر تحریریں محض فرضی قصے اور کہانیاں قرار نہیں دیئے جا سکتے ہیں بلکہ انسان کے باطن میں اتر کر اس کی روح کو جھنجھوڑ دینے والی ایسی دلدوز چیخیں اور پر سوز صدائیں ہیں جو پڑھنے والوں کی غور و فکر کی دنیا میں ایک زلزلہ پیدا کر دیتی ہیں اور وہ بے اختیار اپنی فرسودہ و کہنہ رسم و رواج کی برائیوں کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔

یہ بات اظہر من الشمس ہے یا دوسرے الفاظ میں ناقابل تردید ہے کہ منشی پریم چند نے اپنی تحریروں میں ایسی جاذبیت اور جالبیت سمو دی تھی کہ ہر پڑھنے والا ان کا گرویدہ اور شیدائی ہو جاتا تھا، اس زمانہ ساز اور صاحب بصیرت ادیب کے قلم میں ایسی قوت اور روانی پائی جاتی تھی کہ لوگوں پر سحر طاری ہو جاتا تھا یعنی اگر انہوں نے اپنی کہانی کے کسی کردار کو رُلا دیا تو یقین جانیئے، قاری کی آنکھیں بھی از خود بھیگ جایا کرتی ہیں، اور اگر وہ کسی مظلوم کے لیے آواز اٹھا دیتے تھے، تو زمانہ کانپ اٹھتا ہے اور اگر مزدوروں وغریبوں کی حمائت پر آجاتے تو خوف اور احساس جرم سے ظالموں کے دل لرزنے لگتے تھے۔ اس حساس مفکر کی تحریروں میں ایسی تاثیر، سحر انگیزی اور اثر آفرینی پائی جاتی تھی جس کو بذات خود محسوس تو کیا جا سکتا ہے لیکن احاطہ بیان میں نہیں لایا جا سکتا، لہٰذا ان کی تحریروں کے متعلق صرف اتنا ہی کہا جا سکتا ہے کہ ان کے قلم سے نکلا ہوا ان کا ایک ایک لفظ گویا زندگی کی دھڑکن بلکہ روح بن کر کاغذ پر اترتا ہوا محسوس ہوتا ہے جو قارئین کو ان کے اندر تک جھنجھوڑ کر رکھ دیتا ہے۔ منشی پریم چند کے افسانے، ناول یا ڈرامے محض ادبی شہہ پارے ہی نہیں ہیں بلکہ انسانیت و شرافت، محبت و اخوت اور خلوص و ہمدردی کی ایک ایسی اعلیٰ درس گاہ ہیں جن میں ہر فکر اور طبقہ سے تعلق رکھنے والے لوگوں اپنی دل چسپی کا سامان با آسانی حاصل کر سکتے ہیں، کسانوں کے دکھ ہوں یا مظلوموں کی آہیں، مزدوروں کی محرومیاں ہوں یا پھر عورتوں کی بے بسی، بچوں کے مسائل ہوں یا پھر بوڑھوں کے مصائب، غرض یہ کہ پریم چند نے سماج میں رہنے والے ہر دکھی اور مایوس انسان کے درد و رنج کی شدت کو محسوس کرتے ہوئے اس کو الفاظ کا پیراہن عطا کیا ہے، ان کی تحریروں کو پڑھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے وہ خود اسی کہانی یا افسانے کا ایک حصہ بن گئے ہیں اور ہر کردار کے درد و رنج اور مسائل و مشاکل کو حقیقی طور پر محسوس کر رہے ہیں اور اس کو ایک کہانی گویا افسانہ نویس کی طرح بیان نہیں بلکہ ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے خود بھی اسی کرب اور اذیت سے گزرنے والے متاثرہ شخص ہوں اور ایک ستم رسیدہ، مظلوم اور بے بس انسان بن کر اس کا احساس دلانے کی کوشش کر رہے ہیں۔

عصر حاضر میں منشی پریم چند کے ادب و احترام اور عظمت و مقبولیت کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ وہ بغیر کسی ذاتی طمع اور شخصی لالچ کے سماج میں پھیلی ہوئی برائیوں کو ختم کرنے کے لیے تا عمر سرگرداں اور کوشاں رہے اور اپنے اس پر خلوص مقصد کی حصول یابی کے لیے کبھی کسی کی پرواہ نہیں کی، انہوں نے اپنے ہم وطنوں کی مصائب و غربت سے بھری ہوئی زندگیوں کا بہت ہی گہرائی اور قریب سے مطالعہ و مشاہدہ کیا تھا اور ان کو اس بات کا بخوبی احساس تھا کہ ان کے اطراف کے لوگ بہت سے گمرہیوں اور پستیوں کا شکار دیکھا اپنے ملک اور یہاں کے لوگوں کی زندگی کے معیار کو بلند کرنے کے لیے انہوں نے اپنے قلم کے ذریعے سخت جدوجہد کی اور اپنے مقصد کی حصول یابی کے لیے انھوں نے بہت سے ناول، ڈرامے، افسانے اور کہانیاں تحریر کی ہیں؛ جن میں ہندوستانی سماج میں پھیلی ہوئی اخلاقی پستیوں، سماجی ناانصافیوں اور انسانی کمزوریوں کو زبردست تنقید و تعریض کا نشانہ بنایا گیا ہے؛ ان کی بیشتر کہانیاں، افسانے اور ناول معاشرتی برائیوں، غربت، ناخواندگی اور سماجی نابرابری کی بڑی سچی اور حقیقی تصویر پیش کرتے ہیں، کم و بیش ان کی تمام تحریریں انسانیت، ایمانداری اور ایثار کی بہترین مثالیں فراہم کرتی ہیں۔ یہ ان کے علمی و ادبی کارناموں کا تنوع، رنگارنگی اور بوقلمونی ہی ہے کہ

گزرتا ہواوقت ان کی مقبولیت وشہرت میں مزید اضافہ کرتا چلا جارہا ہے، انھوں نے ہندوستانی معاشرے کی اصلاح ودرستگی کے لیے جو آفاقی پیغام پیش کیا وہ صرف ان کے زمانے میں ہی اہم نہیں تھا بلکہ آج کے دور کے معاشرتی مسائل کے حل کے لیے بھی ہماری رہنمائی اور مدد کرتا ہے، بہرحال اس مضمون مختصر میں پریم چند جیسی نابغہ روزگار اور ہمہ گیر ادبی شخصیت کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرنا تو ممکن نہیں ہے اور نہ ہی مجھ جیسی کوتاہ علم کے اختیار میں ہے کہ میں اس قدآور شخصیت کی تحریروں کے تمام نکات اور جہات تک رسائی حاصل کرسکوں لہٰذا میں اپنے اس مضمون میں منشی پریم چند کے ایک مشہور ومعروف افسانے ''بوڑھی کاکی'' کے متعلق اپنے خیالات واحساسات بیان کرنے کی ایک سعی خام اور کوشش ناتمام کررہی ہوں۔

منشی پریم چند کا اصل نام دھنپت رائے تھا ان کے چچا کی طرف سے ان کا کا نام نواب رائے رکھا گیا تھا لیکن ان کو اپنا یہ نام کوئی خاص پسند نہیں تھا۔ البتہ تمام تر ناپسندیدگی کے باوجود بھی پریم چند کافی عرصے تک قلمی نام کے طور پر نواب رائے کا ہی استعمال کرتے تھے لیکن ان کے افسانوی مجموعے سوز وطن کے ضبط ہونے کے بعد سے ''زمانہ'' کے اڈیٹر اور ان کے عزیز ترین دوست دیا نرائن نگم نے ان کو مشورہ دیا کہ وہ اپنا نام تبدیل کرلیں لہٰذا انہوں نے ان کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے پریم چند کے نام سے لکھنا شروع کیا اور پوری دنیا میں اسی نام سے شہرت اور مقبولیت حاصل کی۔ پریم چند ۳۱ جولائی ۱۸۸۰ء میں بنارس میں پیدا ہوئے تھے۔ پریم چند کے والد کا نام منشی عجائب لال تھا جو ڈاک خانہ میں کلرک تھے۔ پریم چند نے بی اے کا امتحان الہ آباد یونیورسٹی سے پاس کیا تھا اور تاعمر علمی وادبی کاموں میں مشغول ومنہمک رہے۔ پریم چند کا انتقال ۱۹۳۶ء کو بنارس میں ہوا تھا۔

منشی پریم چند کا شمار اردو وہندی کے معروف ترین افسانہ نگاروں میں کیا جاتا ہے اس دانشور بزرگ نے افسانہ نویسی کے شعبے میں جو کارنامہ ہائے گرانقدر انجام دیئے ہیں وہ بلاشبہ لائق تحسین اور قابل فخر ہیں، انھوں نے بے شمار افسانے لکھے اور ہر افسانے میں اپنے فن کے جوہر دکھانے کی کامیاب کوشش کی ہے، ان کے افسانوں میں کہانی کا سلیقہ وقرینہ، پلاٹ کا استحکام ومضبوطی اور کرداروں کی حقیقت وصداقت وغیرہ جیسی اہم اور بنیادی خصوصیات اپنے پورے عروج پر دکھائی دیتی ہیں، وہ ادیبوں اور مصنفوں کے جم غفیر میں شامل ہوتے ہوئے بھی اپنا ایک انفرادی رنگ وآہنگ رکھتے ہیں اور یہ ہی انفرادیت ہے جس کے سبب ان کو افسانہ نویسی کی رنگ برنگی سلطنت میں، خاصا بلند مقام اور عالی مرتبہ حاصل ہوا ہے، ان کی بے باکی اور جرات مندی نے ان کی تحریروں کو جو وقار اور سنجیدگی عطا کی ہے وہ کسی صاحب فہم سے پوشیدہ نہیں ہے ان کی بے خوفی اور جرات مندی کے سبب برطانوی حکومت کی طرف سے ان کے افسانوں اور کہانیوں پر پابندیاں بھی عائد کی گئیں تھیں، لیکن سرکاری بندشیں اور حکومت کی پابندیاں ان کا کچھ نہ بگاڑ سکیں بلکہ ان کی وجہ سے ان کی تحریروں میں مزید رعنائی اور برنائی پیدا ہوتی چلی گئی، کہتے ہیں کہ سرکاری پابندی کے بعد انہوں نے احتیاطاً اپنے اصل نام سے لکھنا بند کردیا بلکہ ان کی بہت سی کہانیاں اور افسانے مثلاً ''گناہ کا گنی کند''، ''سیر درویش'' اور ''رانی سارندہ'' مصنف کے نام کے بغیر ہی شائع کی گئیں تھیں، اور اس کے کچھ عرصے بعد انہوں نے پریم چند کے نام سے پوری دنیا میں شہرت اور مقبولیت حاصل کی۔ یہاں اس اہم بات کی طرف اشارہ کردینا بھی ضروری محسوس ہوتا ہے کہ پریم چند اپنے فن کے خود ہی موجد ہیں

ان سے پہلے اردو ادب میں افسانہ نگاری کی کوئی بہت مضبوط، ٹھوس اور قابل ذکر روایت موجود نہیں تھی بلکہ چھوٹے چھوٹے قصے اور کہانیاں لکھنے کا رواج تھا اور وہ بھی محض گنتی کی حد تک ہی موجود تھے، پریم چند سے قبل افسانہ نگاری کی صنف کو بہت زیادہ در خور اعتنا تصور نہیں کیا تھا اور یہ ہی سبب ہے کہ پریم چند کے زمانے تک بھی ہندوستانی اس صنف کی طرف بہت زیادہ متوجہ اور مائل نہیں سکے تھے البتہ پریم چند کی دور بین نظر اور حساس طبیعت نے اس صنف کی ارزش وافادیت کا بخوبی اندازہ کر لیا تھا اور اسی سبب انہوں نے اپنی پوری طاقت اس صنف کی نوک پلک درست کرنے اور پھر اس کو سنوارنے میں گزار دی اور اس صنف کو ایسا عروج اور بلندی عطا کی جس کو دیکھ کر اچھے اچھے دانشور بھی انگشت بدندان رہ گئے۔

اس حساس اور دقیق بین افسانہ نگار کی آفاقیت اور عظمت کی بنیادی وجہ یہ ہی ہے کہ انھوں نے ہندوستانی سماج کے تلخ حقائق اور چبھتے ہوئے مسائل کو بڑی بے باکی و بے خوفی اور سلیقہ و ہنر مندی کے ساتھ بے نقاب کرنے کی کامیاب ترین کوشش کی ہے، غالباً انھیں اردو کا پہلا ایسا دانشور کہا جا سکتا ہے جس نے افسانہ نویسی کی دنیا کو بلندی کی انتہائی حدود تک پہنچانے میں اساسی کردار ادا کیا ہے، پریم چند سے قبل قصے کہانیوں میں صداقتوں اور حقیقتوں کو بیان کرنے کے بجائے فرضی روایات گھڑ لینے کا عام رواج تھا جن کا مقصد وقتی لطف وانبساط حاصل کرنا تھا، پریم چند نے سب سے پہلے اردو کے افسانوی ادب کا رشتہ زمینی حقائق سے جوڑ کر ہو سماج کے ہر طبقے کے لیے غور و فکر کا سامان فراہم کیا، ان کی تحریروں کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہی ہے ان کے قصے، کہانیوں اور افسانوں کے کردار کتابی، بناوٹی یا تخیلاتی نہیں ہیں بلکہ اس دنیا کے جیتے جاگتے اور چلتے پھرتے انسان ہیں جو ہمیں اپنے اطراف و جوانب میں بآسانی دیکھنے کو مل جاتے ہیں لیکن ہم ان کے متعلق سوچنا بھی گوارا نہیں کرتے ہیں۔ پریم چند نے ہندوستانی سماج میں رہنے والے دبے کچلے، زمانے کے ظلم و ستم کا شکار افراد کو اپنی کہانیوں کا موضوع بنایا اور اپنے عہد کے روائتی افسانہ نگاروں کے اسلوب سے انحراف کرتے ہوئے ایسے تلخ اور ناگوار موضوعات کا انتخاب کیا ہے کہ، پڑھنے والا بے اختیار ان کے بارے میں سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے، مختلف شواہد کی روشنی میں یہ ثابت ہوتا ہے کہ پریم چند سے سے پہلے کا بیشتر افسانوی ادب بادشاہوں، شہزادوں مافوق الفطرت عناصر اور جادوگروں وغیرہ کے قصے کہانیوں کو بیان کرنے تک ہی محدود تھا، منشی پریم چند نے اس میں پہلی بار گاؤں کے مسائل و مصائب، عام انسانوں کے رنج و غم، روز مرہ کی جدو جہد اور معاشی بدحالی و مشکلات وغیرہ جیسے موضوعات کو بیان کر کے افسانہ نویسی کو یک گونہ ندرت وجدت عطا کی، ان کے مشہور افسانوں مثلاً کفن، پوس کی رات، بوڑھی کاکی، پنچایت، ٹھاکر کا کنواں، سوا سیر گیہوں، عید گاہ، نمک کا داروغہ وغیرہ جیسے بے شمار سے افسانے ہیں، جن میں اس نباض زمانہ ادیب نے کسی نہ کسی سماجی مسلہ کو اٹھایا اور قارئین کو غور و فکر کرنے پر مجبور کر دیا ہے وہ انسانی نفسیات سے بھی بڑی گہری واقفیت رکھتے ہیں اور اپنے محاکاتی تخیل سے کرداروں کو ایسا حقیقی بنا کر پیش کرتے ہیں کہ بڑے بڑے دانشور بھی محو حیرت ہو جاتے ہیں ڈاکٹر قمر رئیس ان کے افسانوں کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''ان کہانیوں میں پریم چند نے اپنے تجربات، اپنے تخیل کی شادابی اور نفسیاتی بصیرت سے جو محاکاتی حسن پیدا کر دیا ہے وہ اس عہد کی دوسری کہانیوں میں کم نظر آتا ہے، ان میں سے ہر کہانی انسانی زندگی یا انسانی نفسیات کے کسی گوشہ کو اس طرح بے نقاب کرتی ہے کہ قاری سوچتا رہ جاتا ہے''۱

پریم چند کی کہانیوں، قصوں اور افسانوں کے کردار نہ تو پوری طرح فرشتہ صفت ہیں اور نہ ہی شیطان کی طرح لائق مذمت اور قابل تحقیر ہیں بالفاظ دیگر ان کے بیان کردہ ہر کردار میں ہمیں اگر ایک طرف بشری خامیاں، کمزوریاں اور لغزشیں نظر آتی ہیں تو وہیں دوسری طرف ان میں بہت سی اچھائیاں، خوبیاں اور اچھائیاں بھی دیکھنے کو ملتی ہیں ان کے یہاں اگر ایک طرف زندگی کی المناک سچائیوں اور تلخ حقائق کو بیان کیا گیا ہے تو وہیں دوسری طرف اس زندگی میں مسرت اور خوشیوں کو حاصل کرنے کی راہ بھی دکھائی گئی، انہوں نے اپنی تحریروں کی مدد سے انسانی ضمیر کو بیدار کرنے کے لیے جو مساعی جمیلہ اختیار کی ہیں اس نے ہمارے معاشرے میں موجود بہت سے مسائل کو فرو کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا ہے سماج پر کی گئی ان کی تنقیدیں اور تعریضیں یا طعن و تشنیع اصلاحی رنگ لیے ہوئے ہیں جو معاشرے کو مضبوط و مستحکم بنانے میں خصوصی اور نمایاں کردار ادا کرتی ہیں:

''پریم چند نے اپنے قلم سے دیو و پری کے لئے سیدھے قصے اور غیر فطری انسانوں کے افسانے سنانے کی بجائے معاشرہ کی خام کاریوں پر تنقید کی ہے''۲

پریم چند ایک سچے وطن پرست تھے اور اپنے ملک کے تمام لوگوں کو اعلیٰ انسانی اقدار کے زیور سے مزین دیکھنا چاہتے تھے انہیں بخوبی احساس تھا کہ ہندوستانی معاشرہ بہت سی گم رہیوں اور برائیوں کا شکار ہے جس کے سبب ہم ترقی کے میدان میں دیگر ممالک کے مقابلے میں بہت پیچھے رہ گئے ہیں لہٰذا انہوں نے اپنے قلم سے تلوار کا کام لیا ہے اور سماجی برائیوں کو جڑ سے ختم کرنے کی کوشش کی ہے اس دانشور عالی نے خود بھی بار بار اس حقیقت کا اظہار کیا ہے کہ انہوں نے حقیقت کو اپنی کہانیوں کا موضوع بنایا ہے یعنی انھوں نے افسانے یا کہانیاں صرف تفریح اور لطف اندوزی کے لیے نہیں لکھے ہیں بلکہ کسی مشاہدے اور تجربے کی بنیاد پر لکھے ہیں تاکہ لوگ زیادہ سے زیادہ اس کے اثرات کو قبول کر سکیں اور سماج میں پھیلی ہوئی برائیوں کو فرو کیا جا سکے لہٰذا اپنی تحریروں کی صداقت و حقیقت کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''میرے قصے اکثر کسی نہ کسی مشاہدے یا تجربے پر مبنی ہوتے ہیں، اس میں ڈرامائی کیفیت پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہوں، مگر محض کسی واقعہ کے اظہار کے لیے میں کہانیاں نہیں لکھتا، اس میں کسی فلسفیانہ یا جذباتی حقیقت کا اظہار کرنا چاہتا ہوں، جب تک اس قسم کی بنیاد نہیں ملتی میرا قلم نہیں اٹھتا، زمین تیار ہونے پر میں کیرکٹروں کی تخلیق کرتا ہوں، بعض اوقات تاریخ کے مطالعہ سے بھی پلاٹ مل جاتے ہیں، لیکن کوئی واقعہ افسانہ نہیں ہوتا، تاوقتیکہ وہ کسی نفسیاتی حقیقت کا اظہار نہ ہو''۳

''بوڑھی کاکی''منشی پریم چند کے کچھ بہت ہی اہم اور نمائندہ افسانوں میں سے ایک ہے۔ اس افسانے میں انھوں نے انسانی اقدار، اخلاقی پستی اور قلبی محبت سے عاری ایسے انسانوں کو موضوع بنایا ہے جو نہ صرف خود غرض، مفاد پرست اور بے حس ہیں بلکہ

اس کی مطلب پرستی اور بے ضمیری اس قدر بڑھ چکی ہے کہ انسان اپنوں اور غیروں کے درمیان کے فرق کو بھول چکا ہے، اور اپنے معمولی سے ذاتی نفع کے لیے وہ بغیر کسی لحاظ اور خوف کے اپنے ہی بزرگوں کے ساتھ تحقیر آمیز، بے قدری اور نامناسب سلوک اختیار کرنے میں بھی کسی قسم کی شرمندگی اور ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتا ہے اور اپنوں کے ساتھ دشمنوں سے بھی زیادہ بدتر سلوک کرنے پر اس کا ضمیر اسے کوئی ملامت یا سرزنش نہیں کرتا ہے اور وہ اپنے ذاتی فائدے کے سامنے اخلاقی اصولوں اور انسانی اقدار کی ایسی پامالی کرتا ہے کہ بعض اوقات تو انسانیت کی نظریں بھی شرم سے جھک جاتی ہیں۔ ''بوڑھی کاکی'' افسانے میں مصنف نے کل چھ کردار پیش کیے ہیں اس کہانی کا سب سے پہلا کردار بدھ رام کا ہے جو حد درجہ خود غرض، بے حس، موقع شناس، مفاد پرست اور لاپرواہ انسان ہے حالانکہ بعض مواقع پر ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس میں تھوڑی بہت انسانیت جاگ جاتی ہے لیکن پھر فوراً ہی وہ اس کو تھپک تھپک کر سلا دیتا ہے، بدھ رام شرافت، رشتہ داری اور پارسائی کا چولا پہنے اپنی پھوپی کی تمام جائیداد اپنے نام کرالیتا ہے اور ان کی عمر بھر کی جمع پونجی ا ن سے لیتے وقت تو وہ بڑا بھلا، شریف اور نیک بنا رہتا ہے اور ان کفالت کی تمام ذمہ داری اٹھانے کے لیے بھی خوشی خوشی تیار ہوجاتا ہے لیکن ان کی تمام جائیداد اپنے نام ہوتے ہی وہ اپنے سارے وعدے اور اخلاقی اقدار کو یکسر فراموش کر دیتا ہے ستم بالائے ستم تو یہ کہ وہ اپنی اس ضعیف، کمزور اور بے بس بوڑھی کاکی کو دو وقت کے کھانے پینے سے بھی ترسا دیتا ہے اور بے غیرتی و بے حسی کی تصویر بنا، دنیا کے سامنے شرافت وانسانیت کا ڈھونگ رچائے گھومتا پھرتا ہے لیکن اس کا اندرون نہائت ہی مکروہ اور ناپسندیدہ ہے۔

اس کہانی کا دوسرا کردار روپا کا ہے، جو کہ بدھ رام کی بیوی ہے اور بہت ہی بے حس، سفاک، بے رحم اور ظالم عورت ہے، جس کو سوائے اپنے ذات کی بڑائی کے کچھ اور نظر نہیں آتا، روپا میں خود سری، خود ستائی اور خود بینی جیسی ناپسندیدہ صفات کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہیں اور وہ اپنے سامنے کسی کو خاطر میں نہیں لاتی حتیٰ کہ جس بوڑھی کاکی دولت اور جائیداد کے سبب وہ سماج میں عزت واحترام اور عیش وآرام کی زندگی گزار رہی ہے، اس کے ساتھ بھی نہائت غیر انسانی اور تحقیر آمیز سلوک کرتی ہے اور اس کو جانوروں سے بھی بدتر زندگی گزارنے پر مجبور کر دیتی ہے لیکن دوسری طرف وہ یہ بھی سوچتی ہے کہ اس کی زندگی کا تمام تر عیش وآرام اسی بوڑھی کاکی کی جائیداد کی بدولت ہے لیکن اس قسم کے خیالات صرف کچھ ہی لمحوں کے لیے اس کے دل میں آتے ہیں اور وہ ان ہیں جھٹک کر پھر وہ ہی تیز طرار اور ظالم روپا بن جاتی ہے جس کو ہر گھڑی اپنی اس بوڑھی کاکی کے مرنے کا انتظار ہوتا ہے، اس افسانے کا تیسرا اور سب سے اہم یا مرکزی کردار اس بوڑھی کاکی کا ہے جو ذات کی برہمن ہے یعنی اونچی ذات والی ہے لیکن اس کے ساتھ بہت ہی ذلت آمیز سلوک کیا جاتا ہے اور نہائت ہی حقارت کے ساتھ پیش آیا جاتا ہے، اس کا شوہر اور سات بیٹے جوانی ہی میں یک بعد دیگرے اس کو داغ مفارقت دے چکے تھے اور اب اس دنیا میں اس کی اولادوں میں سے کوئی اس کی اپنی اولاد باقی نہیں بچی تھی، لہٰذا اور وہ اپنی ساری جائیداد اپنے بھتیجے بدھ رام کے نام لکھ دیتی ہے اس امید پر کہ وہ اس کا اپنا سگا بھتیجا ہے اور اس بڑھاپے کے عالم میں اس کی اچھی طرح دیکھ بھال کرے گا اور اس مکر وفریب بھری دنیا میں اس کو بے یار ومددگار نہیں چھوڑے گا، لیکن افسوس کہ حقیقت اس کے بالکل برعکس ثابت ہوتی ہے، اور جائیداد نام ہونے کے بعد آہستہ آہستہ اس بزرگ عورت کی زندگی کو زندہ درگور کر دیا جاتا ہے یہاں

تک کہ ایک چھوٹی سی کوٹھری میں وہ جانوروں جیسی زندگی گزارنے پر مجبور کر دی جاتی ہے اور اس کو کھانے پینے جیسی بنیادی ضرورت سے بھی محروم کر دیا جاتا ہے۔ اس افسانہ کا چوتھا کردار بدھ رام کے بڑے بیٹے سکھ رام کا ہے۔ جو ایک سنجیدہ اور سمجھدار قسم لڑکا ہے لیکن وہ اپنے ماں باپ کا بوڑھی کاکی پر ظلم وستم ہوتے ہوئے دیکھتا رہتا ہے لیکن پھر بھی اس مظلوم عورت کی کوئی مدد نہیں کرتا۔ اور پانچواں کردار بدھ رام کے دوسرے لڑکے کا ہے جو انتہائی شریر، نافرمان اور نالائق لڑکا ہے اور بوڑھی کاکی کا ذرہ برابر بھی احترام نہیں دیتا ان پر منہ بھر بھر کر پانی کی کلی کرتا ہے، ان کے ساتھ زبان لڑاتا ہے اور طرح طرح کی نازیبا حرکتوں سے ان کو ہمیشہ تنگ کیے رہتا ہے اور ان کی زندگی کو اجیرن بنا دیتا ہے۔ اس افسانے کا چھٹا اور آخری کردار لاڑلی یا لاڈلی کا ہے یہ چھوٹی بچی روپا و بدھ رام کی اکلوتی بیٹی ہے اور ایک نہائت ہی معصوم ونیک، بھولی بھالی اور سیدھی سادھی سی لڑکی ہے جو اپنی بوڑھی کاکی کے بہت زیادہ قریب ہے اور ان کے ساتھ انسانیت و محبت کا اٹوٹ رشتہ رکھتی ہے اس اپنے دونوں بھائیوں میں لڑائی جھگڑے ہوتے رہتے ہیں، اور وہ اپنے بھائیوں کی مار کے خوف سے بوڑھی کاکی کے سایہ عاطفت میں پناہ لیتی ہے حالانکہ وہ بوڑھی عورت اس قدر نحیف اور کمزور ہے کہ اس بچی کی کوئی مدد نہیں کر پاتی ہے بااین ہمہ وہ ان سے بہت محبت کرتی ہے اور ان کے لیے بہت ہی نرم دل، ہمدردی کا اور خلوص کا جذبہ رکھتی ہے اور اپنے گھر والوں ے تمام تر مخالفت کے باوجود ان کی مدد کرتی رہتی ہے اور سب سے چھپا کر ان کو کھانا لا کر دیتی ہے حالانکہ روپا نہیں چاہتی کہ لاڈلی کاکی کے پاس جائے اس کے باوجود بھی وہ نہیں مانتی ہے اور گاہے بگاہے کاکی کے پاس پہنچ جاتی ہے۔

''بوڑھی کاکی'' افسانے کو تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے اس کے پہلے حصے میں مصنف نے بڑھاپے کی حقیقت، تکالیف اور مشکلات کا ذکر کیا ہے اور بزرگوں کی ذہنی حالت، نفسیاتی کیفیت اور سماجی عزلت کی بہترین منظر کشی پیش کی ہے۔ اور بتایا ہے کہ انسان کا بڑھاپہ کمزوری، بے بسی، تنہائی اور تکالیف کا نمائندہ ہے، جس میں طاقتور سے طاقتور انسان کے بھی جسمانی اعضاء ساتھ چھوڑ دیتے ہیں، تنہائی اس کی روح پر نشتر لگاتی ہے اور ہمارے معاشرے میں بوڑھے اور بے سہارا افراد سوائے ایک بوجھ اور مصیبت کے کچھ اور اہمیت نہیں رکھتے، کہانی کا دوسرا حصہ سکھ رام کے تلک کے فنکشن کی تیاریوں کے بارے میں بتاتا ہے کہ تلک کے موقع پر کس طرح بے شمار مہمانوں کو مدعو کیا گیا تھا ان کے لیے اعلیٰ قسم کے پکوان تیار کیے جا رہے تھے اور تلک کے رسم بڑے زور وشور کے ساتھ اپنے اختتام کو پہنچتی ہے افسانے کے اس حصے کو پڑھ کر بآسانی یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس تقریب کی تیاری اور مہمانوں کی ضیافت میں خوب پیسہ خرچ کیا گیا تھا اور ایک دولت مند خوشحال گھرانے کی مانند سارے انتظامات کیے گئے ہیں اور اس کہانی کے آخری حصہ میں اس بوڑھی عورت کے ساتھ ہونے والے غیر انسانی رویہ اور ضیافت کے اختتام کا منظر کا بیان کیا گیا ہے۔ اور رات کی تاریکی وسناٹے میں اس ''بوڑھی کاکی'' کے جھوٹے برتنوں میں سے بچے کھچے کھانے کے ٹکڑوں کو چن کر کھانے کی افسوس ناک اور دل سوز حقیقت اور روپا کے نازیبا رویہ کے بارے میں بتایا گیا ہے۔

اس افسانے کی پوری کہانی ایک بوڑھی عورت کی بے بسی ولاچاری اور مجبوری ومعذوری کے ارد گرد گھومتی ہے جو اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کی بے اعتنائی، بے غرضی اور سرد مہری کا شکار ہے بوڑھی کاکی کی بڑھتی ہوئی عمر کے ساتھ ساتھ اس کی سننے،

سمجھنے اور سوچنے کی صلاحیتیں بھی نہ کے برابر ہی باقی بچی رہ گئیں ہیں، اس میں سوائے سونگھنے اور چکھنے کے تمام احساسات وجذبات ختم ہو چکے ہیں اور وہ اپنی شکایات کے لیے کسی کو مخاطب نہیں کر سکتی، وہ صرف رو سکتی ہے، سسک سکتی ہے، تڑپ سکتی ہے اور فریاد کر سکتی ہے، وہ ہمہ وقت ایک چھوٹی سی گھٹن زدہ کوٹھری میں پڑی رہتی ہے، وہاں کوئی بھی اس کا پرسان حال نہیں ہے اور ستم بالائے ستم تو یہ کہ اس معذور عورت کو اس بات کا احساس بھی ختم ہو چکا ہے کہ اس کے اپنے اس کے ساتھ غیر انسانی اور سفاکانہ سلوک کر رہے ہیں، البتہ جب وہ بھوکی ہوتی ہے اور اس کو کھانا وقت پر نہیں ملتا تو وہ صدائے احتجاج بلند کرتی ہے اس کا اپنا بھتیجا بدھ رام (جس پر کاکی کو بہت بھروسہ تھا) اس کی طرف سے پوری طرح غافل ہو جاتا ہے، حتیٰ کہ وہ بوڑھی عورت کھانے پینے سے بھی محروم کر دی جاتی ہے اس پورے گھر میں صرف ایک لاڈلی ایسی لڑکی ہے جو اس کے لیے اپنے دل میں ہمدردی اور محبت کے جذبات رکھتی ہے وہ گھر بھر میں اکیلی ایسی لڑکی ہے جو کسی بھی حال میں اپنی بوڑھی کاکی کو کسی پریشانی میں نہیں دیکھ سکتی ہے ایک دن گھر میں بدھ رام کے بیٹے کے تلک کی تقریب کا موقع تھا، کھانے کی تیاریاں عروج پر تھیں، روپا مہمانوں کے کھانے پینے کے انتظامات کرنے میں مصروف تھی، گھر میں خوب پکوان بن رہے تھے، بوڑھی کاکی کو کھانے کی اشتہا انگیز خوشبو محسوس ہوئی تو وہ بھوک کی شدت سے بے قرار ہو اٹھی اور وہ انتظار کرنے لگی کہ کوئی اس کو کھانے کے لیے بلانے آئے گا اور وہ پیٹ بھر کر لذیز و خوش مزہ کھانے کھائے گی وہ دل ہی دل میں خیالی پلاؤ بنانے لگی۔ ذیل میں اس کہانی کی عبارت نقل کی جا رہی ہے جس میں اس بوڑھی عورت کے بڑھاپے کی ذہنی و قلبی کیفیت اور ان کے نفسیات واحساسات کی بڑی سچی اور حقیقی تصویر پیش کی گئی ہے۔ بڑھاپے میں بزرگوں کا مزاج کس قدر عجیب اور بچکانہ ہو جاتا ہے، ان کی قوت برداشت اور اور صبر و تحمل کی قوت بھی متاثر ہوتی ہے اور ان میں سوائے حسِّ ذائقہ کے سوا تمام حواس کام کرنا بند کر دیتے ہیں ذیل کی عبارت سے اس کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے اور اس بوڑھی عورت کی کی ذہنی کیفیت کس قدر قابل رحم تھی اور اس بات کا احساس ہوتے ہوئے بھی کہ گھر کے تمام لوگ اس کو ناپسند کرتے ہیں اور اس کو ایک جان لیوا مصیبت تصور کرتے ہیں:

"یہ یقین تھا کہ اب ایک لمحہ میں پوریاں اور مصالحے دار ترکاریاں سامنے آئیں گی اور ان کے حسن ذائقہ کو گدگدانے لگا، انھوں نے دل میں طرح طرح کے منصوبے باندھے پہلے ترکاری سے پوریاں کھاؤں گی، پھر دہی اور شکر سے، کچوریاں رائتے کے ساتھ مزے دار معلوم ہوں گی، چاہے کوئی برا مانے یا بھلا میں تو مانگ مانگ کر کھاؤں گی، یہ ہی نہ لوگ کہیں گے انھیں لحاظ نہیں ہے، کیا کریں اتنے دنوں کے بعد پوریاں مل رہی ہیں تو منہ جھوٹا کر کے تھوڑی ہی آؤں گی"[۴]

لیکن جب بہت سارا وقت گزر گیا اور کوئی بھی بوڑھی کاکی کو بلانے نہیں آیا، جب کافی دیر گزر گئی تو وہ بھوک سے تڑپ اٹھی اور اپنی محرومی اور گرسنگی کا احساس کر کے اس کی زبان ہی نہیں بلکہ اس کا دل بھی خون کے آنسو رونے لگا، لیکن بھوک، بے بسی اور محرومی انسان کو بڑی آزمائشوں، امتحانوں اور فتنوں میں ڈال دیتی ہے اور تمام تر ناتوانی اور معذوری سے بھی زیادہ تکلیف دہ بھوک کا احساس ہوتا ہے اور یہ ہی وہ احساس تھا جو بوڑھی کاکی کو اس کی تمام تر معذوری اور لاچاری سے بیگانہ کر دیتا ہے اور وہ بڑی مشکل سے رینگتی ہوئی اس جگہ پر جا پہنچتی ہے، جہاں پر طرح طرح کے لذیذ کھانے تیار ہو رہے تھے، ان کی مہک بوڑھی کی اشتہا کو بڑھا دیتی

ہے،اور وہ خود کو کھانا مانگنے سے روک نہیں پاتی ہے لیکن روپا جب یہ منظر دیکھتی ہے، تو اس کو کھانا دینے کے بجائے اس کو بری طرح ڈانٹنے پھٹکارنے لگتی ہے، اور جب بوڑھی کاکی کی سمجھ میں روپا کی کوئی بات نہیں آتی ہے، تو غصے اور نفرت کی شدت کے سبب آپے سے باہر ہوگئی اور اس کے ساتھ نہائت تحقیر آمیز سلوک کرتے ہوئے بوڑھی کاکی کو واپس اپنی کوٹھری میں جانے کا حکم دیا اور اس کو کھانا دینے سے صاف انکار کر دیا یہاں اس افسانے سے چند سطور نقل کی جا رہی ہیں، جس میں بوڑھی کاکی کے ساتھ روپا کا غیر انسانی سلوک کو پیش کیا گیا ہے اور اس کے پس پردہ ان عزت دار گھرانوں کے عزت دار مکینوں کو طنز و تشنیع کا نشانہ بنایا گیا ہے جو سماج کے سامنے اپنے دکھاوے اور ظاہر داری کے ذریعے اچھا بننے کی کوشش کرتے ہیں جبکہ ان کے باطن میں ایک شیطان چھپا بیٹھا ہوتا ہے اور جو بھوکے انسانوں کو کھانا کھلانے سے زیادہ دیوی دیوتاؤں پر بھوگ لگانا زیادہ اہم تصور کرتے ہیں ، اپنوں کی بھوک اور محرومی سے زیادہ پیٹ بھرے لوگوں کو کھلانا اور ان کے درمیان اپنی جھوٹی شان و شوکت کی نمائش کرنا زیادہ اہم لگتا ہے اور یہ ہی جھوٹی نام و نمود ہی ہمارے سماج کا سب سے بڑا المیہ ہے:

''اس کا غصہ نہ رک سکا، یہ خیال نہ رہا کہ پڑوسنیں بیٹھی ہوئی ہیں، دل میں کیا کہیں گی، مردانے میں لوگ سنیں گے تو کیا کہیں گے، جیسے مینڈک کیچوئے پر جھپٹتا ہے اسی طرح وہ بوڑھی کاکی پر جھپٹی اور انھیں دونوں ہاتھوں سے جھنجھوڑ کر بولی ''ایسے پیٹ میں آگ لگے، پیٹ ہے کہ آگ کا کنڈ ہے، کوٹھری میں بیٹھے کیا دم گھٹتا تھا، ابھی مہمانوں نے نہیں کھایا، دیوتاؤں کا بھوک تک نہیں لگا، تب تک صبر نہ ہوسکا، آکر چھاتی پر سوار ہوگئی''۵

''بوڑھی کاکی'' کے ساتھ ہونے والے اس غیر انسانی سلوک کو لاڈلی خاموشی کے ساتھ دیکھتی رہتی ہے کیونکہ ماں کے سامنے کچھ بھی بولنے کی مجال نہیں تھی اس لیے وہ چھوٹی سی لڑکی صرف اسی ادھیڑ بن میں رہتی ہے کہ گھر میں اتنا سارا کھانا ہونے کے باوجود بھی اس بوڑھی کاکی کو کھانے کو کچھ کیوں نہیں دیا گیا ہے، جب سارے مہمان کھا پی کر رخصت ہو جاتے ہیں تب بھی وہ مظلوم عورت اپنی کوٹھری میں کھانے کا انتظار کرتی رہتی ہے لیکن اس کے ہاتھ سوائے مایوسی و نامرادی کے کچھ اور نہیں لگتا ہے، لیکن لاڈلی کو اس ناتواں عورت کی بھوک اور تکلیف کا بخوبی احساس تھا، اس کا چھوٹا سا معصوم ذہن یہ سمجھ ہی نہیں پا رہا تھا کہ کیوں اس کی بوڑھی کاکی کو بے رحمی کے ساتھ گھسیٹ کر کوٹھری میں پھینک دیا گیا تھا اور سوچ رہی تھی کہ اگر تھوڑا سا کھانا اس کی کاکی کو دے دیا جاتا تو کون سی قیامت آجاتی:

''یہ لوگ کاکی کو کیوں بہت سی پوریاں نہیں دے دیتے، کیا مہمان سب کی سب تھوڑے ہی کھا جائینگے اور اگر کاکی نے مہمانوں سے پہلے کھا بھی لیا تو کیا بگڑ جائے گا، وہ کاکی کے پاس جا کر انھیں تشفی دینا چاہتی تھی لیکن ماں کے خوف سے نہ جاتی تھی''۶

اس افسانے کی سب سے بڑی خوبی اور پریم چند کی تخلیقی ہنر مندی یہ ہے کہ انہوں نے بوڑھی کاکی کے کردار کے ذریعے ہمارے سماج کی تلخ حقیقت کو اس قدر ہنر مندی کے ساتھ پیش کیا ہے کہ پڑھنے والا اس کردار کے آئینہ میں معاشرے کی اس ناقابل بیان حقیقت کو بے نقاب تو دیکھتا ہی ہے، ساتھ ہی ساتھ وہ پریم چند کی فنی عظمت کا بھی قائل ہو جاتا ہے۔ پریم چند نے بوڑھی کاکی

کے کردار میں اس لاعلاج بیماری کو پیش کیا ہے جو عصر حاضر کی تمام تر ترقیات و عروج کے باوجود آج بھی ہمارے معاشرے میں موجود ہے بلکہ ایک بدنما داغ بن چکی ہے۔ ہمارے حساس دل اور دقیق النظر مصنف نے اپنی اس کردار کے ذریعے یہ دکھانے کی کامیاب کوشش کی ہے کہ وہ گستاخ اور بے حس اولاد جس کو والدین تمام تر پریشانیوں، مشکلوں اور صعوبتوں کو برداشت کرنے کے بعد اس قابل بناتے ہیں کہ وہ اس دنیا میں سر اٹھا کر جی سکے، اور پھر ایک دن وہ ہی عزیز از جان اولاد اپنے بزرگوں کی بے انتہا محنت و مشقت سے کمائی گئی مال و متاع اور جائیداد کو حاصل کرنے کے بعد ان سے منہ پھیر لیتی ہے اور ان سے تمام تعلقات قطع کرتے ہوئے یکسر لاتعلقی اختیار کر لیتی ہے، اور ان کا خیال رکھنا چھوڑ دیتی ہے اور اس طرح وہ بیچارے بزرگ لوگ جو اپنا سب کچھ اپنے بچوں پر لٹا دیتے ہیں اور آخر میں بے چارے خالی ہاتھ رہ جاتے ہیں اور پھر آہستہ آہستہ جان لیوا تنہائی اور ذہنی تکالیف سے نبرد آزما ہوتے ہوئے اپنی بقیہ زندگی گزارنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ یہ سماجی بے حسی بزرگوں کو کس طرح توڑ پھوڑ کر رکھ دیتی ہے اس کیفیت کی خوبصورت عکاسی ہمیں بوڑھی کاکی کے کردار میں بخوبی دیکھنے کو ملتی ہے ایک جگہ وہ بڑی ہی مایوسی اور ناامیدی کے عالم میں کہتی ہے:

''ان لوگوں کو اتنی بھی دیا نہیں آتی کہ بڑھیا نہ جانے کب مر جائے، اس کا دل کیوں دکھائیں، میں پیٹ کی روٹیاں ہی کھاتی ہوں کہ اور کچھ، اس پر یہ حال میں اندھی اپاہج ٹھہری، نہ کچھ سوجھے نہ بوجھے، اگر آنگن میں چلی گئی تو کیا بدھ رام سے اتنا کہتے نہ بنتا تھا کہ کاکی ابھی لوگ کھا رہے ہیں پھر آنا، مجھے گھسیٹا پٹکا، انھیں پوریوں کے لیے روپانے سب کے سامنے گالیاں دیں، انھیں پوریوں کے لیے اور اتنی درگت کر کے بھی ان کا پتھر کا کلیجہ نہ پسیجا، سب کو کھلایا، میری بات نہ پوچھی، جب تب ہی نہ دیا تو اب کیا دیں گے، یہ سوچ کر مایوسانہ لیٹ گئی، رقت سے گلا بھر آتا تھا، لیکن مہمانوں کے سامنے لحاظ سے روتی نہ تھی''[2]

بہرحال جب تلک کی رسم بحسن خوبی اپنے انجام کو پہنچتی ہے اور تقریب کے اختتام پذیر ہو جاتی ہے، سارے مہمان رخصت ہو جاتے ہیں اور گھر کے تمام لوگ میٹھی نیند کی آغوش میں چلے جاتے ہیں لیکن اس گھر میں ایک فرد ایسا بھی جس کی آنکھوں سے نیند کوسوں دور ہے اور وہ لاڈلی ہے اس حساس اور نرم دل لڑکی کو بوڑھی کاکی کے بھوکے ہونے کا احساس سونے نہیں دیتا، لہٰذا ہمہ طرف گہرے اندھیرے اور سناٹے کے خوف کے باوجود وہ اٹھ بیٹھتی ہے اور اپنے حصے کی پوریاں جو اس نے اپنے گھر والوں سے چھپا کر اپنی گڑیوں والی پٹاری میں رکھی ہوئی تھیں وہ رات کے گہرے سناٹے اور ڈراؤنے اندھیرے سے ڈرتے ہوئے اپنے حصے کی پوریاں بوڑھی کاکی کو دینے جاتی ہے وہ بھوکی ہونے کے باوجود اس بات کے احساس سے ہی شاداں ہے کہ بھوک سے بے حال، اس کی پیاری کاکی یہ پوریاں دیکھ کر کتنا خوش ہوں گی اور اس کو خوب دعاؤں سے نوازیں گی، لیکن بھوک سے بے حال بے چاری کاکی، کا ساری پوریاں کھا لینے کے باوجود بھی پیٹ نہیں بھر پاتا، لہٰذا وہ لاڈلی سے کہتی ہے کہ اس کو اور کھانا چاہیے لیکن وہ بے چاری ماں کے جاگ جانے کے خوف سے اس کو مزید کھانا دینے سے انکار کر دیتی ہے لہٰذا بوڑھی کہتی ہے کہ لاڈلی اس کو اس جگہ پر لے چلے، جہاں دن کے وقت مہمانوں نے پوریاں کھائی تھیں اور جہاں پر ان مہمانوں کے جھوٹے برتن پڑے ہوئے ہیں۔ لاڈلی کچھ نہ سمجھتے ہوئے اس کی بات مان کر اس کو اس جگہ لے جاتی ہے جہاں پر برتنوں میں موجود پوریوں کے ٹکڑے اور ریزے ابھی بھی زمین پر پڑے ہوئے

تھے بوڑھی کاکی بغیر کسی احساس شرمندگی کے ان بچے کچے ٹکڑے نوالوں پر ٹوٹ پڑتی ہے اور ایک بھوکی بھکارن کی طرح کھانا، کھانا شروع کر دیتی ہے ابھی یہ سلسلہ چل ہی رہا ہوتا ہے کہ، اسی دوران اچانک روپا کی نیند ٹوٹ جاتی ہے، پہلے تو اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آتا لیکن پھر وہ اپنی جگہ سے اٹھتی ہے اور اس جگہ پہنچ جاتی ہے جہاں کاکی برسوں سے بھوکے انسان کی طرح جھوٹے کھانے کے ٹکڑے جلدی جلدی اپنے منہ میں رکھ رہی ہوتی ہے، اور روپا جب یہ دل دہلا دینے والا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھتی ہے تو اچانک اس کا ضمیر جاگ اٹھتا ہے اور اس کو اپنے کیے ہوئے سفاکانہ رویہ پر بڑی پشیمانی ہوتی ہے اور ایک بہت ہی چبھتا ہوا سا سوال وہ خود اپنے ضمیر سے کرتی ہے، لیکن حقیقتاً یہ سوال صرف کسی ایک فرد سے یا خود کلامی نہیں بلکہ پورے سماج کے لیے ہے کہ بزرگوں کی اس حالت کا ذمہ دار ان کے اپنے ہی ہوتے ہیں جو انھیں بڑھاپے اور ضعیفی کے عالم میں بے یار و مددگار چھوڑ دیتے ہیں تو کیا خالق کائنات کبھی ایسے گناہ گاروں کو معاف کرے گا:

"اس سے عبرتناک نظارہ ناممکن تھا، پوریوں کے چند لقموں کے لیے اس کی چچیری ساس ایسا رکیک اور حقیر فعل کر رہی ہے، یہ وہ نظارہ تھا جس سے دیکھنے والوں کے دل کانپ اٹھتے ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ زمین رک گئی، آسمان چکر کھا رہا ہے، دنیا پر کوئی نئی آفت آنے والی ہے، روپا کو غصہ نہ آیا عبرت کے سامنے غصہ کا ذکر کیا؟ درد اور خوف سے اس کی آنکھیں بھر آئیں، اس ادھرم اور پاپ کا الزام کس پر ہے؟"[۸]

یہ سب دیکھ کر روپا کی روح کانپ اٹھتی ہے اس کو وہ وقت یاد آنے لگتا ہے جب بوڑھی کاکی نے ان پر بھروسہ کرتے ہوئے ،اپنا تمام تر سرمایہ ان لوگوں کے حوالے کر دیا تھا لیکن افسوس کہ آج اس کے وہ ہی اپنے لوگ اس مظلوم عورت کاکی کو پیٹ بھر کے کھانا دینے کے سے بھی کتراتے ہیں، اس وقت روپا اس کو اپنی زیادتیوں، کوتاہیوں بلکہ گناہوں کا بڑی شدت کے ساتھ احساس ہوتا ہے اور وہ اپنی ساس کے ساتھ اپنے خراب رویہ پر بہت پشیمان اور شرمندہ ہوتی ہے۔ پریم چند نے افسانے کے آخر میں یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ اس دنیا کے ہر انسان کی ذات میں خوبیاں اور خامیاں موجود رہتی ہیں، کوئی بھی انسان نہ تو مکمل طور پر برا ہو سکتا ہے اور نہ ہی سو فیصد فرشتہ بلکہ انھیں اچھائیوں اور برائیوں کی آمیزش سے انسان بنا ہے۔ کبھی اس کی ذات میں موجود نیکی جیت جاتی ہے تو کبھی کبھی خامی انسان کو اپنا غلام بنائے رکھتی ہے، اور جب انسان پر اس کی خوبیاں غالب آنے لگتی ہیں تو وہ فرشتہ بن جاتا ہے اور خامیوں کے زیر اثر اس کو حیوان بننے میں بھی دیر نہیں لگتی لہٰذا بہتر یہ ہی ہے کہ انسان اپنے اندر کی انسانیت اور شرافت کو کبھی نہ مرنے دے بلکہ اپنی خوبیوں کو بروئے کار لاتے ہوئے وہ اس معاشرے میں پھیلی ہوئی برائیوں اور خامیوں کو ختم کرنے کی کوشش کرے تاکہ سماج میں میں رہنے والا ہر فرد راحت و سکون کے ساتھ اپنی زندگی گزار سکے۔ ہمارے معاشرے میں پھیلی ہوئی اخلاقی برائیوں اور اور بیماریوں کا صرف اسی صورت میں فرو کیا جا سکتا ہے جب انسان اپنے ضمیر کی عدالت میں خود اپنا محاسبہ و موازنہ کرے اور اپنی ذات میں موجود نقائص و معائب کو دور کرنے کی کوشش خود ہی کرے، اپنے دل سے خود غرضی، لالچ اور ہوس کو باہر نکال کر پھینک دے اور

سماج کے ہر فرد سے محبت والفت کا سلوک کرے جیسا کہ اس افسانے کے آخر میں انھوں نے روپا کے کردار میں دکھایا ہے جس کو اپنی غلطیوں کا بڑی شدت سے احساس ہوتا ہے اور اس کا فیصلہ خود اس کے ضمیر کی عدالت میں ہوتا ہے لہٰذا وہ کہتی ہے:

"روپا کو اپنی خود غرضی اور بے انصافی آج تک کبھی اتنی صفائی سے نظر نہ آئی تھی ہائے میں کتنی بے رحم ہوں جس کی جائیداد سے مجھے دو سو روپے سال کی آمدنی ہو رہی ہے اس کی یہ درگت اور میرے کارن۔ اے ایشور مجھ سے بڑا بھاری گناہ ہوا ہے مجھے معاف کرو۔ آج میرے بیٹے کا تلک تھا۔ سینکڑوں آدمیوں نے کھانا کھایا میں ان کے اشارے کی غلام بنی ہوئی تھی۔ اپنے نام کے لیے اپنی بڑائی کے لیے سیکڑوں روپے خرچ کر دیئے۔ لیکن جس کی بدولت ہزاروں روپے کھائے اسے اس تقریب کے دن بھی پیٹ بھر کر کھانا نہ دے سکی محض اس لیے نہ کہ وہ بڑھیا ہے۔ بے کس ہے۔ بے زبان ہے"۹

جب انسان کو اپنی ذات میں موجود برائیاں اور خامیاں نظر آنے لگتی ہیں تو وہ یکسر وہ فرشتہ بن جاتا ہے اور پھر اس کو دنیا میں ہر انسان کے ساتھ محبت ہو جاتی ہے کسی کے برا ہونے کا احساس ختم ہو جاتا ہے اور ایسا ہی کچھ اس وقت روپا کے ساتھ بھی ہوتا ہے بوڑھی کاکی پر کیے گئے مظالم ایک ایک کر کے اس کو یاد آنے لگتے ہیں اور وہ خود کو سرزنش کرتی ہے اور بالآخر وہ ایک ٹرے میں کھانا سجا کے اس بوڑھی کاکی کے پاس لے جاتی ہے اور اس طرح اسے اپنی غلطیوں کا احساس ہوتا ہے اور وہ بے اختیار ہو کر سچے دل کے ساتھ اپنی اس بوڑھی کاکی سے معافی مانگتی ہے اور وہ بوڑھی کاکی بھی ایک چھوٹے سے بچے کی مانند بغیر کسی احساس کے اسے معاف کر دیتی ہے۔

بوڑھی کاکی منشی پریم چند کے مشہور اور شاہ کار افسانوں میں سے ایک ہے، اس میں کسی قسم کی کوئی پیچیدگی یا مشکل پسندی نظر نہیں آتی ہے، بظاہر تو یہ ایک بہت ہی سلیس وآسان سی کہانی محسوس ہوتی ہے جس میں ایک مجبور و معذور بزرگ خاتون کے بڑھاپے کی زندگی کی المیہ داستان بیان کی گئی ہے، لیکن اس کے پس پردہ انھوں نے بڑی صداقت وہمت کے ساتھ انسانی فطرت اور بشری خود غرضیوں کو بے نقاب کیا ہے۔ اور یہ ہی ان کے فن کا کمال بھی ہے اور نقطۂ نظر کا اظہار بھی۔ اس فن کار نے بوڑھی کاکی، روپا اور لاڈلی وغیرہ کے بنیادی کرداروں کے باطن میں جا کر حقائق کا مشاہدہ و محاسبہ کیا ہے اور انسانی فطرت اور سماجی حقائق کو بڑی ہی چابک دستی اور ہنر مندی کے ساتھ بیان کیا ہے۔ پریم چند کے افسانوں کی ایک بڑی خصوصیت بلکہ ان کی تحریروں کی سب سے بڑی قوت ان کا سادہ و رواں زبان، بے تکلف و فطری انداز بیان اور سلیس و شفاف طرز تحریر ہے یہ ہمارے اس دانشور بزرگ کا سب سے بڑا کمال یہ ہی ہے کہ انھوں نے عام بول چال کی زبان کو تخلیقی زبان کی حیثیت سے پیش کیا اور قبول عام کا درجہ حاصل کیا:

"پریم چند کے فن کی ایک بڑی قوت ان کی سادہ اور سلیس زبان اور شفاف اور بے متکلف طرز تحریر ہے۔ انھوں نے بول چال کی عام فہم زبان کو تخلیقی زبان کا درجہ عطا کیا اور اردو کے افسانوی ادب کو ایک ایسا جاندار اور شگفتہ اسلوب دیا جو تصنع، تکلف اور ہر طرح کی ہے۔ آرائش سے پاک ہے۔ فکر و اظہار کا یہی وہ سادہ اور حقیقت پسندانہ اسلوب ہے جو جدید اردو افسانہ میں پریم چند کی روایت کے تحفظ اور تسلسل کی شناخت بن گیا ہے"۱۰

''بوڑھی کاکی'' میں بھی منشی پریم چند کا انفرادی لب ولہجہ اور جداگانہ رنگ وآہنگ اپنے پورے عروج پر نظر آتا ہے۔ یہ کہانی مختصر ہونے کے ساتھ ساتھ خاصی دلچسپ اور سبق آموز بھی ہے جو پڑھنے والے کے ضمیر کو جھنجھوڑ کر رکھ دیتی ہے، اس کا اسلوب نہایت سادہ پرکشش اور دلکش ہے جس کی وجہ سے خواننده کو سمجھنے میں کسی قسم کی دشواری کا سامنانہیں کرنا پڑتا اس کہانی میں انھوں نے بعض مواقع پر عربی، فارسی اور سنسکرت وغیرہ زبان کے الفاظ ابھی ستعمال کیے ہیں جو اردو زبان میں شامل ہوکر عجیب سا لطف دیتے ہیں اور ہمارے اس مفکر بزرگ کی دانش مندی، ذہانت اور علمی لیاقت کا منہ بولتا ثبوت کہے جاسکتے ہیں، روانی وسلاست اس افسانے کا خصوصی امتیاز ہے جس نے ادبی نقطہ نظر سے بھی ان کے اس افسانے کو انتہائی بلندی پر پہنچادیا ہے۔

مختصر یہ کہاجاسکتا ہے کہ بوڑھی کاکی منشی پریم چند بڑھاپے کے دکھ اور سماجی بے حسی کی بڑی سچی اور حقیقی تصویر پیش کرتا ہے، اس افسانے کی کہانی ایک ضعیف اور بوڑھی، بے بس کاکی کے ارد گرد گھومتی ہے جو اپنے رشتہ داروں کی بے اعتنائی اور سرد مہری کا شکار ہے، پریم چند کی افسانہ نگاری کی خصوصیت سادگی، حقیقت پسندی، اور سماجی مسائل پر مبنی ہے۔ جس میں انھوں نے انسانی اقدار واخلاق سے محروم، بے حس، خود غرض اور مفاد پرست لوگوں کو سخت تنقید وتعریض ہی کا نہیں بلکہ زبردست طنز وطعن کا بھی نشانہ بنایا ہے، یہ لوگ انسانیت اور شرافت جیسی اخلاقی اقدار سے محروم ہوتے ہیں اور اپنا کام نکل جانے کے بعد ان بزرگوں کی طرف سے بے اعتنائی اور دوری اختیار کر لیتے ہیں اور ان کے ساتھ نہائت ہی حقارت آمیز اور غیر انسانی رویہ اختیار کرتے ہیں، ان کا بنیادی مقصد بڑھاپے، افلاس اور خاندان کے افراد کی بے حسی وغیرہ جیسے دردناک پہلوؤں کو اجاگر کرنا ہے۔ یہ افسانہ اس بات کی عکاسی کرتا ہے کہ کس طرح خاندان کی ضروریات اور احساسات کو نظر انداز کیا جاتا ہے اور سماجی بے حسی اپنے انجام کو پہنچتی ہے۔ انھوں نے بوڑھی کاکی کے کردار کے ذریعے جسمانی کمزوری اور تنہائی جیسے بڑھاپے کی تکالیف، تنہائی کا درد، بھوک کی شدت اور انسانی لاچاری وغیرہ کو پیش کیا گیا ہے، کہانی میں غربت کے ساتھ ساتھ بوڑھی کاکی کی بے بسی اور اپنی ضروریات کے لیے دوسروں پر انحصار کرنے کی مجبوری اور درد کو موثر انداز میں بیان کیا گیا ہے، افسانہ خاندان کے افراد کی خود غرضی اور بے حسی کو سامنے لاتا ہے، جو بوڑھی کاکی کی بڑھتی ہوئی تکلیف اور تنہائی کو مزید بڑھادیتی ہے۔ بوڑھی کاکی سماج کی اس ناانصافی پر ایک گہری تنقید ہے جو بوڑھوں کی دیکھ بھال اور ان کے ساتھ بہتر سلوک کرنے کی بجائے انہیں نظر انداز کر دیتا ہے۔ اس افسانے کا بنیادی مقصد سماجی شعور کو بیدار کرنا ہے بوڑھی کاکی سماج کی اس ناانصافی پر ایک گہری تنقید ہے جو بوڑھوں کی دیکھ بھال اور ان کے ساتھ بہتر سلوک کرنے کی بجائے انہیں پوری طرح نظر انداز کر دیتے ہیں اور خود عیش وعشرت میں زندگی گزارتے ہیں۔ اور اپنے لوگوں کی ضروریات اور احساسات کو نظر انداز کیا جاتا ہے اور اس طرح سماجی بے حسی اپنے انجام کو پہنچتی ہے۔

ماخذ ومنابع

- ۱۔ پریم چند کے نمائندہ افسانے، مرتبہ ڈاکٹر قمر رئیس، ایم۔ اے رنٹرز دہلی، ۲۰۱۰، ص ۲۰۔
- ۲۔ آخری تحفہ، منشی پریم چند، حجازی پریس، لاہور، ص ۴۔

- ۳۔ میں افسانہ کیوں کر لکھتا ہوں، منشی پریم چند، مرتبہ حکیم محمد یوسف حسن، ضمیر احمد خان پرنٹرز، لاہور، ص ۱۱۔ ۱۲۔
- ۴۔ پریم چند کی کہانیاں، منشی پریم چند مرتب جوگیندر پال، اے۔ جے پرنٹرس نئی دہلی، ۱۹۸۳، ص ۹۱۔
- ۵۔ پریم چند کی کہانیاں، منشی پریم چند مرتب جوگیندر پال، اے۔ جے پرنٹرس نئی دہلی، ۱۹۸۳، ص ۹۰۔
- ۶۔ پریم چند کی کہانیاں، منشی پریم چند مرتب جوگیندر پال، اے۔ جے پرنٹرس نئی دہلی، ۱۹۸۳، ص ۹۲۔
- ۷۔ پریم چند کی کہانیاں، منشی پریم چند مرتب جوگیندر پال، اے۔ جے پرنٹرس نئی دہلی، ۱۹۸۳، ص ۹۱۔
- ۸۔ پریم چند کی کہانیاں، منشی پریم چند مرتب جوگیندر پال، اے۔ جے پرنٹرس نئی دہلی، ۱۹۸۳، ص ۹۵۔
- ۹۔ پریم چند کی کہانیاں، منشی پریم چند مرتب جوگیندر پال، اے۔ جے پرنٹرس نئی دہلی، ۱۹۸۳، ص ۹۶۔
- ۱۰۔ پریم چند کے نمائندہ افسانے، مرتبہ ڈاکٹر قمر رئیس، ایم۔ اے رنٹرز دہلی، ۲۰۱۰، ص ۲۳۔